

بلاغتِ نبوی کی فنی خصوصیات و امتیازات

* ڈاکٹر فضل اللہ

تمہید

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى

آله وأصحابه أجمعين. ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک واضح اور معین ذمہ داری دے کر بھیجا تا کہ وہ ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائے۔ اس میں صرف ابلاغ نہیں تھا بلکہ ابلاغِ مبین (واضح ابلاغ) مقصود

تھا۔ ارشادِ باری ہے: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (1)

”رسول اللہ کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔“

اور ارشادِ الہی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (2)

”اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے یہ (سب) آپ لوگوں

تک پہنچا دیجیے۔“

دعوتِ الہی اللہ کی ذمہ داری اور اس سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونا بیانی تفوق اور غیر معمولی بلاغی صلاحیت کا

مقتضی ہے۔ تا کہ اس اہم ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ کے منشا اور حکم کے مطابق بہترین انداز میں ادا کیا جاسکے۔

ابلاغ کے لیے سب سے اہم بنیادی ذریعہ مؤثر کلام ہے جو دلوں تک رسائی حاصل کرے اور ذہنوں کو

متاثر کر کے سامعین کو تدبیر و تفکر پر مجبور کرے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعِظُهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ (3)

”اور انہیں نصیحت کرتے رہیے اور انہیں ان کے باب میں مؤثر بات کہتے رہیے۔“

کلام انسانی فکر کی تعمیر اور روحانی تکوین میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اور انسان اور زبان کے درمیان

انتہائی اہم رشتہ اور تعلق ہے۔ بلکہ یہ نوع انسان کی اہم ترین امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔ کلام جتنا انسانی طور

پر مکمل، اسلوب بلند اور فنی خصوصیات کا حامل ہوگا اتنا ہی مؤثر ہوتا ہے۔

بلاغت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منابع و ذرائع

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن کریم معجزات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک اہم معجزہ ہے۔ اس اعجاز کی وجوہات میں سے اہم ترین وجہ بلاغی اعجاز ہے۔ اور چیلنج بھی اسی میں ہے۔ اس اعجاز کا تقاضا ہے کہ حامل قرآن فصیح و بلیغ انسان ہوتا کہ اس کلام الہی کو مؤثر انداز میں لوگوں تک پہنچا سکے۔ مشیت ایزدی نے چاہا کہ اس بارگراں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈالے۔ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (4) ”اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے“

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے خصوصی طور تیار فرمایا، وہ تمام ظاہری و باطنی وسائل مہیا کیے جو اس فرض منصبی کی مکافقہ تکمیل کے لیے ضروری تھے تاکہ آپ انتہائی واضح اور خوبصورت انداز میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام کو پہنچائے۔

ابتدائی سے اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ مواقع و اسباب فراہم کیے جن کی وجہ سے وہ فصاحت و بلاغت کی انتہا تک پہنچ گئے۔

ابونصر فارابی نے قریش کے لہجے کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ قبیلہ قریش کے الفاظ سب سے زیادہ فصیح ہوا کرتے تھے اور نطق کے لحاظ سے آسان اور سننے والے پر مؤثر اور واضح تر ہوا کرتے تھے (5)

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآنی مصاحف کی کتابت کے لیے قبیلہ قریش کا ہونا ضروری قرار دیا تھا اور کہا ”لا یملین فی مصاحفنا إلا غلمان قریش وثقیف“ (6) ”ہمارے مصاحف کو قریش اور ثقیف کے علاوہ کوئی نہ لکھے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش کے چشم و چراغ تھے۔ نضیال بنوزہرہ، آپ کی ابتدائی رضاعت و پرورش بنو سعد بن بکر کی نشوونما قریش میں ہوئی شادی حضرت خدیجہ کے ساتھ ہوئی (جو کہ بنو اسد سے تھیں) یہ سارے قبائل زبان، لہجہ، فصاحت و بلاغت میں یکتائے زمانہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلیم الفطرت اور طبعی ذہانت و فطانت کے مالک تھے۔ اور غور، تفکر و تدبران کا شیوہ تھا۔ اور کثرت تلاوت و تدبر کی وجہ سے قرآن کریم آپ کے جسم و جان کا حصہ بن چکا تھا۔ اسی لیے آپ کے کردار و گفتار میں قرآن کریم کا جلال و جمال اور فصاحت و بلاغت بطریق اتم پایا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا وہی اور کتسابی اسباب کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فصیح اور بلیغ

تھے۔ آپ کے کلام و استدلال میں کسی قسم کی تعقید و پیچیدگی کا نام و نشان تک نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص قسم کی لسانی مہارت سے نوازا تھا۔ آپ نئے نئے انواع کے اسالیب کلام کو ایجاد کرتے تھے، آپ میں تخیل اور تصور کی طاقت بہت واضح تھی۔ ان کی فصاحت و بلاغت ہر قسم کی سلیبات سے مزہ اور جملہ ایجابیات سے مزین تھی۔ اسی لیے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم ایک ہی باپ کے فرزند ہیں اور آپ عرب کے مختلف وفود کے ساتھ ایسے انداز میں بات کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آذینی ربی فأحسن تأدیبی) اور جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب بیان سے متاثر ہو کر کہا کہ میں عرب و عجم میں گھوما آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ فصیح و بلیغ میں نے نہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آذینی ربی فأحسن تأدیبی) (7)

”اللہ تعالیٰ نے مجھے بیان کا سلیقہ سکھایا ہے، اور بہت اچھی طرح مجھے ادب سکھایا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس خداداد صلاحیت سے واقف تھے اور تحدیثِ نعمت کے طور پر کہا کرتے تھے

((أنا أفصح العرب بید أئی من قریش، ونشأت فی بنی سعد)) (8)

”میں تمام عرب سے زیادہ فصیح ہوں۔ علاوہ ازیں میرا تعلق قریش سے ہے اور میری پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی۔“

فصاحت نبوی اور اس کے بلاغت پر مختلف ادوار کے علماء نے اپنے اپنے انداز میں اپنی آراء کا اظہار بہت تفصیلی انداز میں فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر عربی زبان و ادب کے انتہائی مشہور شخصیت عمر بن بحر جاحظ (التوننی 255ھ) نے فرمایا:

((هو الکلام الذی قلّ عدد حروفه و کثر عدد معانیه، و جُلّ عن الصنعة و نُزّه عن التکلف استعمال الميسوط في موضع البسط، والمقصود في موضع القصر و هجر الغریب الوحشی، و رغب عن الهجين السوقي..... ثم لم يسمع الناس بكلام قط أعم نفعاً وأصدق لفظاً، ولا أعدل وزناً ولا أجمل مذهبا، ولا أكرم مطلباً، ولا أحسن موقعا، ولا أسهل مخرجاً، ولا أفصح عن معناه، ولا أبین عن فحواه من كلامه صلی اللہ علیہ وسلم))

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے الفاظ تعداد کے لحاظ سے کم لیکن معانی کے اعتبار سے بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے پرہیز کرتے تھے۔ ہمیشہ وقت و حالات کی ضرورت کے مطابق اپنا کلام پیش کرتے تھے، مانانوس اور

معیار سے گرے ہوئے الفاظ اور اسلوب کو قطعاً استعمال نہیں کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے زیادہ سچا، مفید اور الفاظ و معانی کے لحاظ سے انتہائی مناسب کلام بھلا کس کا ہو سکتا ہے۔“ (9)

ابن الاثیر مجد الدین بن محمد الجزری (المتوفی 606ھ) فرماتے ہیں:

”کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عرب سے زیادہ فصیح اور بیان میں سب سے زیادہ واضح، الفاظ و لہجے کے لحاظ سے انتہائی صاف، استدلال کے لحاظ سے مضبوط ترین اور حالات و مقتضیات کلام کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ آپ کو خصوصی تائید ایزدی اور عنایت ربانی حاصل تھی۔“ (10)

عصر جدید کے مایہ ناز ادیب اور انشا پرداز احمد حسن الزیات نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

”فصاحت و بلاغت نبوی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خصوصی صلاحیت کا نام ہے۔ جو چیز عطاء الہی ہو اس کو مخلوق کے ترازو میں نہیں تولایا جا سکتا اور نہ یہ ممکن ہے۔ اس لیے ہم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ ہم صرف اس کے اثر کا ادراک کر سکتے ہیں۔ ہم اس جیسا کلام نہیں لا سکتے۔“ (11)

یقیناً ہم بلاغت نبوی کی حقیقت کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغام تمام لوگوں تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام زندگی اس فریضہ کو بہ طریق احسن انجام دینے میں صرف فرمائی احسن ادائیگی میں گزار دی۔

اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ کلام ہی سے مخاطب متاثر ہوتا ہے۔ اور اس کے احساسات پر اثر انداز ہو کر اس کو بڑی سے بڑی قربانی پر تیار کرتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت انسانی تاریخ کا ایک سنہرے باب ہے جس کی نظیر تلاش کرنا تحصیل لا حاصل کے مترادف ہے۔

چونکہ اسلامی ادب اپنے مافی الضمیر کو عمدہ حروف اور الفاظ میں پیش کرنا کی بنیاد ایک ایسے اسلوب پر ہے جو زبان کی پختگی اور اسلوب کی روانی و خوبصورتی پر مشتمل ہو۔ ایک مؤمن ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنا شعار بناتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں ان ہی اسالیب بیان کا استعمال کریں جن کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

ذیل میں کوشش کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فنی خصوصیات و امتیازات پر روشنی ڈالیں۔ ویسے تو موضوع کا کما حقہ استیعاب نہیں ہو سکتا تاہم اس کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

① وضاحت بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام ہو ہدایات کو بنی نوع انسان تک پہنچانا ہے۔ اس لیے اسلوب نبوی میں وضاحت اور بیان کا وصف انتہائی واضح ہے۔ اور یہ خصوصیت درج ذیل وجوہات کی وجہ سے بہت عام اور واضح تھی۔

(1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بنیادی مقصد ابلاغ تھا۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسلوب واضح نہ ہو۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغام کو انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ اور سننے والا چاہتا تو اس کلام کے اجزاء کو گن سکتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

((ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسرد سردكم هذا ولكنه يتكلم بكلام بين فصل يحفظه من جلس إليه)) (12)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کی طرح جلد اور تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی واضح انداز میں بات کیا کرتے تھے جس کو حاضرین مجلس یاد کر سکتے تھے۔“

اسی طرح سنن ابوداؤد میں منقول ہے۔ (12)

ام معبد کا کہنا ہے:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش باوقار رہتے تھے۔ آپ کا کلام انتہائی شائستہ و خوبصورت موتیوں کی طرح ہوا کرتا تھا“ (13)

بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو بار بار دہراتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات کو تین تین دفعہ دہراتے تھے، اور جب کسی مجلس کے پاس سے گزرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے تھے۔“ (14)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں ہر قسم کی پیچیدگی، ابہام اور نامانوس کلمات اور جملے استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس بارے میں سینکڑوں نصوص کو بطور استنبہا پیش کیا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر اعلان نبوت کے موقع پر کوہ صفا کے دامن میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

((إن الرائد لا يكذب أهله، واللّه لو كذبت الناس جمعاً ما كذبتكم، ولو غررت الناس جمعياً ما غررتكم، واللّه الذي لا إله الا هو إني لرسول اللّه

إليكم خاصة، وإلى الناس كافة، والله لتموتن كما تمانون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملونه ولتجزون بالإحسان إحساناً، وبالسوء سوءاً، وإنها لجنة أبدأ، ولنار أبدأ.....)) (15)

”یقیناً سربراہ اپنے متعلقین سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر (بفرض مجال) میں سب لوگوں سے جھوٹ بولوں تو آپ سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں سب لوگوں سے دھوکہ کروں تو آپ سے دھوکہ نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم جو معبود برحق ہے میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً بھیجا گیا ہوں۔ اللہ کی قسم آپ لوگ اسی طرح مریں گے جس طرح آپ سوتے ہیں اور آپ کو اسی طرح اٹھایا جائے گا جس طرح آپ بیدار ہوتے ہیں۔ آپ کے اعمال کا حساب ضرور لیا جائے گا اور احسان کا بدلہ احسان ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا۔ نیکی کا بدلہ جنت کی شکل میں اور برائی کا بدلہ دوزخ کی شکل میں دیا جائے گا۔“

مندرجہ بالا نص کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب بیان انتہائی واضح ہے۔ اور مزید وضاحت کے لیے مختلف توضیحی اسالیب مثال کے طور پر استعارہ، تشبیہ کنایہ، امثال اور قصہ وغیرہ کا سہارا لیا گیا ہے۔

بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت کے لیے اپنے دست مبارکہ سے اشارہ کر کے حاضرین کو

سمجھاتے تھے مثال کے طور پر ان کا یہ ارشاد کہ: (التقویٰ ہھنا) (16)

تقویٰ یہاں ہے (اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ (أنا وکافل الیتیم ہکذا) (17)

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اسی طرح ہوں گے۔“

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز بیان انتہائی واضح تھا اور اس کے کلام میں کسی قسم کی پیچیدگی اور ابہام نہیں تھا تو پھر غریب الحدیث اور احادیث پر معاجم کی سینکڑوں کتابیں کیسے منصفہ شہود پر آئیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام کو مقتضی الحال کے مطابق پیش کیا ہے۔ اور جو مشکلات اس کو سمجھنے میں پیش آتی ہیں اس کی وجہ:

① عربی زبان و ادب اور جزیرۃ العرب کی تہذیب اور تمدن سے ناواقفیت۔

یا

② یہ کہ وہ کلمات اور اسلوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مالوف و مستعمل تھے پھر بعد میں ان کے استعمال میں مرد زمانہ کے ساتھ کمی ہوئی۔

یا

③ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اسالیب و کلمات پہلی دفعہ استعمال کیے تو اس وجہ سے ان کو سمجھنے میں دقت پیش آئی۔ اور ایسے اسالیب و کلمات دوسرے کے نسبت بہت کم ہیں۔

② مخاطب کے احوال کی رعایت

کلام کی بلاغت کے لیے مقتضی الحال کی رعایت ضروری ہے۔ اور مقتضی الحال کے لیے مقام اور مخاطب کے احوال سے واقفیت ضروری ہے۔ بلاغت نبوی کی سب سے اہم خصوصیت مخاطب کے احوال کا لحاظ رکھنا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب اپنے مخاطب کی زبان و تہذیب اور ان کے علمی و فکری سطح کے مطابق ہوتا تھا کیونکہ آپ کو عربی زبان و ادب پر مکمل دسترس حاصل تھی اور وہ اپنی تعبیر میں بہترین الفاظ اور تراکیب استعمال کرتے تھے۔ اور ہر قبیلے کو ان کے لہجے اور زبان میں مخاطب ہوتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

”میں نے کوئی غریب الفاظ عربوں سے نہیں سنے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ((مات حنط أنفه)) ”وہ اپنی موت آپ مرا“ میں نے یہ کسی اور سے نہیں سنا“ (۱۸) عطیہ السعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جب آپ نے مجھے دیکھا تو انہوں نے فرمایا: ”ما غناک اللہ، فلا تسأل الناس فإن الید العلیا خیر ہی المنطیة، والید السفلی ہی المنطاة (۱۹) وإن اللہ مسئول و منطی“ (20)

”کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں سے نہیں ہے

مسند عبدالرزاق اور حمیدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کعب بن عاصم الأشعری کے لیے یوں روایت

کیا ہے: ((لیس من أم بر أم صیام فی أم سفر)) (20)

یہ صحیح لغت ہے اور الأشعری قبیلے کے لوگ (اللہ تعالیٰ نے تجھ کو کتنی دولت سے نوازا ہے، پس تم لوگوں سے مت مانگا کر، کیونکہ اوپر والا ہاتھ بہتر ہے جو کہ دینے والا ہے، اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہے اور مال وہ ہے جو مانگا گیا ہے) اسی طرح بولتے ہیں۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا تعلق اشعری قبیلے سے تھے اس لیے آپ نے ان کے لب لہجے کے مطابق جواب دیا۔ حدیث میں الف لام کو میم سے تبدیل کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جواب ان کو ان کے لہجے میں دیا تاکہ وہ بہتر انداز میں سمجھ سکیں۔

اس طرح کے کئی مظاہر ہمیں ان خطوط میں بھی ملتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب کے دور دراز قبائل کے نام بھیجے۔ جو قریش کے لہجے سے مختلف لہجے والے تھے۔ کیونکہ ان کے لیے ان کے لہجے میں بات کرنا ہی مناسب و موزوں تھا۔ مثال کے طور پر جب اہل فارس کو خط لکھا تو اس خط کے الفاظ انتہائی سادہ اور عام فہم زبان میں یوں تحریر فرمایا:

((من محمد رسول الله إلى كسرى برونيز عظيم فارس سلام على من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله فأدعوك بداعية الله فإني أنا رسول الله إلى الخلق كافة لينذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين..... فاسلم تسلم)) (21)

”محمد رسول اللہ کی طرف سے کسری فارس کے بادشاہ کے نام۔ پس سلامتی اس پر ہو جس نے سیدھا راستہ اختیار کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، میں آپ کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اللہ کی طرف تمام مخلوق کے لیے رسول ہوں تاکہ تمام زندہ انسانوں کو ڈرا سکوں اور کافروں پر اللہ کا عذاب ثابت ہو جائے گا۔ پس تم اسلام قبول کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔“

لیکن جب ان کے مخاطب خالص عرب ہوتے تو الفاظ اور تراکیب دقیق استعمال کرتے۔ مثال کے طور پر وائل بن حجر الحضرمی کو خطوط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

((من محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أقيال العباهلة من أهل حضر موت بإقام الصلاة وإيتاء الزكاة على التبعة)) (22) ((والبيتيمة لصاحبها وفي السيوب الخمس لا خلاط ولا وراط)) (23)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عباہلۃ قبیلے کے سرداروں کے نام کہ نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو، بھیڑ بکریاں جب چالیس ہو جائیں تو اس میں ایک بکری بطور زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اور جو اس سے زائد ہو تو وہ مالک کے لیے ہے اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ فریضہ کلوٰۃ سے بچنے کے لیے نہ تو کسی اور کے مال مویشی کے ساتھ ملائے جائیں گے اور نہ الگ کیے جائیں گے۔

چونکہ حضرت وائل خالص عرب اور فصیح و بلیغ تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اسلوب ان کی لسانی اور قبائلی پس منظر کو سامنے رکھ کر پیش فرمایا

اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دومۃ الجندل کے رئیس کے نام جس میں فرمایا۔
 ((إن لنا الضاحية من النحل والبور والمعامي وأغفال الأرض والحلقة
 والسلاح، ولكم الضامنة من النحل والمعين من المعمور لا تعدل
 سارحتكم ولا تعد فاردتكم ولا يحضر عليكم النبات تقيمون الصلوة
 لوقتها وتؤدون الزكاة، عليكم بذلك عهد الله وميثاقه)) (24)

”ہمارے لیے وہ کھجوریں ہیں جو شہر کے فصیل اور آبادی سے باہر ہیں اور وہ زمینیں ہیں جن پر کسی آبادی یا کسی کی ملکیت کا اثر موجود نہیں ہے۔ اور آپ کے لیے وہ کھجوریں ہیں جو فصیل کے اندر اور آبادی والے علاقے میں ہیں۔ آپ کے مال مویشی آزاد چریں گے ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ آپ کو نماز اپنے وقت پر ادا کرنا پڑے گی اور زکوٰۃ بھی دینی پڑے گی۔ یہی آپ سے ہمارا معاہدہ ہے۔“

اسی طرح ایک اور واقعہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نہد کے وفد کے ساتھ گفتگو جس میں طرفہ بن ابی زہیر النہدی نے جب کہا:

((أئتناك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم من غورى تهامة بأكوار
 الميس ترتمي بنا العيس نستحلب الصبير ونستحلب الخبير ونستعضد
 البربر ونستخيل الرهام ونستحيل أو نسجيل الجهم في أرض غائلة النطاة
 غليظة المؤطا قد نشف المدهن ويبسن الجعثن وسقط الأملوج ومات
 العسلوج وهلك الهدى ومات الودى))

”ہم اونٹوں کے قافلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔ ہم سفید بادلوں سے بارش کی توقع رکھتے ہیں۔ اور قحط کے ہاتھوں پتے اور گھاس کھانے پر مجبور ہیں، اور خالی بادل سے بارش کی توقع رکھتے ہیں، اور دروازہ صحرا میں پڑے ہوئے ہیں اور بارش کے جمع شدہ پانی کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں اور نباتات کی تلاش میں رہتے ہیں۔ درختوں کے پتے خشک ہو کر گر کر خس و خاشاک میں تبدیل ہو چکے ہیں، مال مویشی مر چکے ہیں اور وادیاں خشک ہو چکی ہیں۔“

اس فصیح و بلیغ کلام کے جواب میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اللهم بارك لهم في محضها ومخضها مذقها وفرقها وابعث راعيها
 الدثر وافجر لهم الثمد وبارك لهم في المال والولد، من أقام الصلوة كان

مسلماً ومن آتى الزكوة كان محسناً ومن شهد أن لا اله الا الله كان
مخلصاً لكم يا بنى نهد ودائع الشرك وضائع الملك لا تلتط في الزكاة
وتلحظ في الحياة ولا تتناقل من الصلاة)) (25)

”اے اللہ تو ان کے دودھ لہسی میں برکت ڈال، اور ان کے دودھ سے بننے والی اشیاء میں
برکت ڈال اور ان کی زمینوں کو سیراب کر کے ان کو سرسبز شاداب میں تبدیل فرما۔ ان کے
پانی کے ذخیروں میں برکت ڈال۔ ان کے مال و اولاد میں اضافہ فرما۔ ان میں سے جس
نے نماز پڑھی وہ مسلمان ہو گیا۔ جس نے زکوٰۃ ادا کی وہ احسان کرنے والا ہو گیا۔ اور جس
نے لا الہ الا اللہ پڑھا وہ مخلص ہو گیا۔ اے بنی نهد آپ کے تمام معاہدات کا احترام کیا
جائے گا، اور معاملات میں آپ کو دوسرے مسلمانوں کے برابر کا سلوک کیا جائے گا۔ زکوٰۃ
دینے میں لیت و عمل سے کام نہ لیں۔ غلط کاموں سے اپنے آپ کو بچاتے رہیں اور نماز کی
ادائیگی میں سستی نہ کریں۔“

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل کے ساتھ ان کے لہجے
کے مطابق مخاطب ہوتے تھے۔ جس سے ایک تو وہ اپنے پیغام کو بہترین انداز میں پہنچاتے تھے اور دوسرا یہ کہ وہ اس
سے ان کو نفسیاتی طور پر متاثر کرنا چاہتے تھے کیونکہ ہر انسان اپنی زبان، لہجے اور تہذیب سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے۔ اور
جو بھی ان کے اپنے لہجے اور طور طریقے سے مخاطب ہو تو وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

③ جدت اور اصالت

کلام نبوی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت کلام میں جدت ہے۔ یہ مظہر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے بہت سے اقوال میں نمایاں نظر آتا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات و تراکیب
و فقرے استعمال کیے جو اس سے پہلے مستعمل نہ تھے۔ یہ اس بات کا غماز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توفیق
الہی ہمیشہ حاصل تھی آپ نے فرمایا: ((أوتيت القرآن ومثله معه)) (26)

”مجھے قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس جیسا کلام عطا کیا گیا ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کے بارے میں بہت سے علماء نے لکھا ہے (27)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس خصوصیت کے بارے میں یوں فرمایا ہے۔

((أعطيت جوامع الكلم)) اور ایک روایت میں ہے ((أوتيت جوامع الكلم)) (28) کہ مجھے

جو امع العلم عطا کیے گئے ہیں۔

اس کی وضاحت عصر کے مشہور ادیب مصطفیٰ صادق الرافی نے یوں بیان کی ہے:

”کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الفاظ کے بنانے کی صلاحیت موجود تھی۔ اسی لیے ان کے منہ سے ایسے الفاظ، تراکیب، فقرے نکلے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کہے۔ اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں اضافہ کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے عربی زبان کے انتہائی خوبصورت حصے کے طور پر محفوظ ہو گئے۔“ (29)

ایسے الفاظ، تراکیب اور فقرے بہت ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں:

”مات حنتف أنفہ“ (مات حنتف أنفہ)
 ”اب جنگ کی آگ گرم ہو گئی ہے“
 ((الآن حمی الوطیس))

((لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین)) ”مؤمن کو ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا“

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ((هدنة علی دخن)) (30) ”اس صلح میں دھواں ہے“

اگر ہم مذکورہ بالا ارشادات پر غور کریں تو ہمیں ان فرمودات کے اندر معانی کا بحر بیکران نظر آتا ہے۔ لیکن سرمدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر غور و فکر کرتے ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ((هدنة علی دخن)) فرمایا۔

”هدنة“ عربی زبان میں صلح و صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور ”الدخن“ کا مطلب ہے کہ وہ کھانا جس پر دھواں پڑنے سے اس کی لذت اور ذائقے میں فرق آئے۔ عصر جدید کے مشہور اسلامی ادیب مصطفیٰ رافعی نے اس مثال کے نیچے بہت عمدہ تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے پیچھے معانی و اشارات کا وہ سمندر چھپا ہوا ہے اگر تمام زبان کو بھی اس کے لیے استعمال کیا جائے پھر بھی وہ معانی نہیں آسکتے جو اس چھوٹے سے چھوٹے جملے میں پنہاں ہیں۔ کیونکہ صلح درگزر، نرمی اور جنگ و جدل سے باز آنے کا نام ہے۔ اور یہ تمام صفات نرم دلی کی صفات ہیں، جب صلح کی بنیاد فساد پر مبنی ہو، اور اس کے اندر خرابی ہو تو اس نرم دل پر فساد غالب ہو کر اس کو خراب کرتا ہے تاکہ وہ دوبارہ نیک کام نہ کر سکے۔ جس طرح دھواں کھانے میں مل کر اس کے ذائقے اور لذت کو خراب کرتا ہے اس کے بعد ہر کھانے والے کو دھواں کا ذائقہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس فساد کی تصویر ہے جس میں حسد و کینہ سے بھرے دل کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس تصویر کشی میں اس بری نیت کو دھویں کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جس میں اندھیرا پن ہے گویا نیتیں جب بگڑ جاتی ہیں تو وہ دل قابل اصلاح نہیں رہتے، اور پھر وہ اندھیرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

پھر تیسرا اہم مفہوم جس کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ صلح درحقیقت جنگ کی آگ کو بجھانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہ جنگ وہ ہے جو قلیل مدت کے لیے بجھ گئی ہے جو مستقبل میں ایک اور خطرناک آگ کی شکل میں نمودار ہوگا۔ جس طرح گیلی لکڑیوں کو آگ کے قریب اس لیے رکھا جاتا ہے تاکہ وہ سوکھ کر دوبارہ جلنے کے قابل ہو جائیں اور اچانک دھوئیں کے درمیان آگ بھڑک کر اٹھتی ہے۔ اسی طرح جس صلح کی بنیاد فساد پر مبنی ہو وہ اس گیلی لکڑی کی مانند ہے جو ابتدا میں تو دھواں ہوتا ہے بعد میں بہت بڑی آگ کی شکل میں سب کو اپنے پلیٹ میں لے لیتا ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں ایسے الفاظ، ترکیب اور مصطلحات استعمال فرماتے تھے جو اس سے پہلے عربوں میں مستعمل نہ تھے۔ اور امام خطابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغی خصوصیات میں سے گنواتے ہوئے ان مفردات اور مصطلحات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ استعمال کیے۔ جن کا تعلق شریعت اور اسلام سے ہے۔ (31) اور جاہظ نے اس کی تائید کی ہے۔ (32)

4 ایجاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اختصار اور ایجاز تھا۔ کیونکہ وہ انتہائی مختصر انداز میں بات کرتے تھے۔ آپ ایسے اسلوب اور انداز اختیار کرتے تھے۔ جس میں الفاظ بہت کم مگر معانی و مفاد ہم کا ذخیرہ بکثرت موجود ہوتا تھا۔

امام ترمذی نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز کلام کے بارے میں مجھے بتا دیجیے۔ تو انہوں نے کہا:

((كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، طويل السكت لا يتكلم في غير

حاجة يفتح الكلام ويختمه باسم الله ويتكلم بجوامع الكلم، كلامه فصل

لا فضول ولا تقصير.....)) (33)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ دیر خاموش رہا کرتے تھے۔ ضرورت کے بغیر گفتگو نہیں

کرتے تھے۔ اللہ کے نام سے کلام کی ابتدا کرتے تھے اور اللہ کے نام سے ہی کلام کو ختم

کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فضول گفتگو اور کلام میں تصنع اور بناوٹ کو پسند نہیں

کرتے تھے۔“

اسی لیے جب ایک اعرابی نے آپ کے سامنے اپنی بات کو طول دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت

کے انداز میں پوچھا:

((کم دون لسانک من حجاب؟ فقال: شفتای وأسنانی، فقال له: إِنَّ اللَّهَ يَكْرَهُ الْاِتِّعَاقَ فِي الْكَلَامِ فَضَرَّ اللَّهُ وَجْهَ امْرِئٍ أَوْ جَزَ فِي كَلَامِهِ وَاقْتَصِرَ عَلَى حَاجَتِهِ)) (34)

”تمہارے زبان میں کتنے پردے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ دو ہونٹ اور دانت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلام میں غیر ضروری طوالت کو ناپسند کرتا ہے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جو بات مختصر کرتا ہے اور اپنی ضرورت تک محدود رہتا ہے۔“

آپ علیہ السلام ہمیشہ دوسروں کو ایجاز کی وصیت کرتے تھے۔ جیسا کہ جریر بن عبداللہ الجہلی کو فرمایا:

((يا جرير إذا قلت فأوجز، فإذا بلغت حاجتك ولا تتكلف)) (35)

”کہ جریر! جب کچھ کہنا ہو تو ایجاز و اختصار سے کام لیا کرو، اور جب مطلب پورا ہو جائے تو اس میں تکلف و تصنع سے کام نہ لیا کرو۔“

علماء بلاغت کے نزدیک ایجاز بلاغت کا اہم عنصر ہے۔ ابن سنان الحفاجی نے ایجاز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کلام میں اصل ایجاز ہے کیونکہ اصل مقصود کلام میں معانی ہیں نہ کہ الفاظ۔ لفظ کی حیثیت ایک وسیلہ اور راستہ کی ہے۔ اور وسیلہ اور راستہ وہی بہتر ہوتا ہے جو مختصر ترین ہو (36)۔

علماء کی کثیر تعداد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایجاز و اختصار کے پہلو کو بہت مفصل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ان میں ابو بلال العسکری (37)، ابن رشتیق القیر وانی (38)، ابن الاثیر (39) اور عز بن عبدالسلام (40) زیادہ مشہور ہیں۔

یہ خصوصیت جو ام الکلم میں انتہائی واضح شکل میں موجود ہے۔

ذیل میں چند اقوال بطور نمونہ ایسے پیش کیے جاتے ہیں جن میں الفاظ تو بہت کم ہیں لیکن معانی کا سمندر پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ليدخلن هذا الدين على ما دخل عليه الليل)) (41)

”بے شک دین اسلام ہر اس جگہ پہنچ جائے گا جہاں رات داخل ہوتی ہے“

اور ((إذا لم تستحى فاصنع ما شئت)) (42)

”جب آپ کے اندر شرم و حیا نہ ہو تو جو مرضی کرو“

اور ((إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى)) (42)

”بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی ہے۔“

ابن الاثیر نے جوامع العلم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ کلمات اور تراکیب کی صورت میں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاز یا حقیقت کی شکل میں پہلی دفعہ استعمال کیے، مثال کے طور پر ”الآن حمی الوطیس“ اور دوسری قسم وہ جس میں لفظی طور پر اختصار اور ایجاز ہو لیکن معانی کے لحاظ سے بہت وسعت ہو۔

احمد حسن الزیات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب میں ایجاز اور اختصار کے بنیادی سبب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایجاز یا اختصار وہی شخص استعمال کر سکتا ہے جس کے پاس تعبیری صلاحیت اور ذہنی پختگی ہو اور یہ صفات ذہنی قوت، روحانی بلندی اور احساس کی قوت کے بغیر ممکن نہیں ہیں اور یہ صفات ساری کی ساری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بدرجہ کمال موجود تھیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایجاز اور اختصار کثرت سے پایا جاتا ہے۔ (43)

5 تسلسل اور منطقی انداز

موثر کلام کے لیے تسلسل اور منطقی انداز کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر مخاطب کو متاثر نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ وصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور خطبات میں بطریق اتم پایا جاتا ہے۔ اس کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اہتمام کے ساتھ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر جب قریش کا ایک نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے تو مجلس میں موجود لوگوں نے اس کو ڈانٹا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس کو مت ڈانٹیں اور اُسے کہا کہ نزدیک ہو جاؤ تو وہ بہت نزدیک ہو گیا۔ اس سے پوچھا کہ کیا آپ اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرو گے تو اس نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اس کو پسند نہیں کرتے، کیا آپ اپنی بیٹی کے لیے پسند کرو گے تو اس نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر بالترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہن، چھوٹی، خالہ کے بارے میں پوچھا اور ہر دفعہ اس نے انکار کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اس کے سر پر رکھ کر کہا کہ اے اللہ اس کے گناہ کو معاف کر دے اور اس کے دل کو پاکیزہ کر دے اور اسے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنے کی توفیق دیجئے۔ (44)

مذکورہ بالا مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ظرفی اور مخاطب کو قائل کرنے کی بہترین مثالی صلاحیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منطقی انداز میں نوجوان کو گمراہی سے بچایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے اندر عجیب انداز کا تسلسل ہوتا تھا ہر پہلا جملہ دوسرے جملے کا مقدمہ اور ہر دوسرا جملہ پہلے جملے کا نتیجہ ہوتا تھا۔ اس سے مخاطب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ان الصدق يهدي إلى البر وإن البر يهدي إلى الجنة وإن الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صديقاً وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وأن الرجل يكذب ليكذب حتى يكتب عند الله كذاباً)) (44)

”سچائی یقیناً نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اس کا نام سچا لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی جب مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اس کا نام جھوٹا لکھا جاتا ہے۔“

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ :

((إن الغضب من الشيطان وإن الشيطان خلق من النار، وإنما تطفأ النار بالماء فإذا غضب أحدكم فليتوضأ)) (45)

”غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ پس تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے۔“

اس طرح اور مثالیں بھی کافی ہیں۔ جس میں مقدمہ اور نتیجہ کے درمیان مضبوط منطقی تسلسل پایا جاتا ہے۔ اور کلام کا ہر جملہ مقدمے سے نتیجے کی طرف انتہائی تسلسل اور مربوط شکل میں رواں دواں نظر آتا ہے۔ اس طرح کے اسلوب سے مخاطب کا ذہن متاثر ہوتا ہے۔

⑥ تصویر کشی

ادب میں تصویر کشی بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ تصویر کی مدد سے بہت سے غیر مرئی اور مجرد اشیاء کو محسوس شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب میں یہ حصہ بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ تصویر کشی کے کئی انواع اور عناصر ہیں، جن میں استعارہ، تشبیہ، کنایہ اور وصف وغیرہ ہیں۔ عربی زبان و ادب میں مجاز کا استعمال عام ہے (46) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں مجاز کا استعمال بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور اسی کثرت کے پیش نظر امام الشریف الرضی نے ایک کتاب بعنوان

”المجازات النبوية“ لکھ ڈالی اور مقدمے میں وجہ تالیف کا ذکر مفصل انداز میں کیا ہے۔ مذکورہ کتاب میں تقریباً 361 احادیث کو موضوع بحث بنایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کلام میں مجاز کا استعمال اس کو مضبوط اور موثر بناتا ہے (47)۔
ادب میں تصویر کشی بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ تصویر کی مدد سے بہت سے غیر مرئی اور مجرد اشیاء وغیرہ ہیں

① استعارة

مجاز کی واضح ترین اور مشہور ترین شکل استعارہ ہے (48)۔

استعارہ سے مراد لفظ کو اپنے اصل معنی میں استعمال کرنے کے بجائے ایسے مجازی معنی میں استعمال کرنا جہاں حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت کا تعلق ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں استعارات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احد کے پہاڑ کے بارے میں یہ ارشاد ((هذا جبل يحبنا ونحبه)) (49) ”یہ پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں“۔

جب ہم اس ارشاد پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس شدت تعلق کا اظہار ہے جو احد پہاڑ اور مسلمانوں کے درمیان موجود تھا۔ اور انہوں نے احد کو ایک ایسے انسان سے تشبیہ دی جو محبت کرتا ہو۔ پھر مشبہ بہ (انسان) کو حذف کر کے مشبہ (أحد) کو قائم مقام بنا کر محبت کو اس کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح یہ اسلوب علماء بلاغت کے نزدیک استعارہ مکنیہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح استعارہ کی ایک اور مثال جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((وستجدون آخرين للشيطان في رؤسهم مفاحص فاقلعوها بالسيوف)) (50)

”اور ایک اور (گروہ) کو دیکھیں گے کہ ان کے سروں پر شیطان نے گھونسلے بنا کر رکھے ہیں پس (تم) ان کو تلواروں سے اُکھیڑ ڈالو“۔

شریف رضی نے اس حدیث پر تعلق اور تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ایک انوکھا اور نادر استعارہ ہے کیونکہ عربی میں جب کسی کی ہٹ دھرمی اور جہالت پر ڈٹے رہنے کے بارے میں پر زور انداز میں کچھ کہنا ہو تو یہ کہا جاتا کہ ”قد فرخ الشيطان في رأسه، کہ شیطان نے اس کے سر پر انڈے ڈالے ہیں“۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ ”عشش في قلبه“ کہ اس کے دل میں شیطان نے گھونسلہ بنایا ہے۔ اسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معنی اخذ کر کے اس کو مزید پر زور انداز میں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ”للشيطان في رؤسهم مفاحص“ کہ ان کے سروں میں شیطان کے گھونسلے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں کو گھونسلے سے اس لیے تشبیہ دی کیونکہ پرندے گھونسلہ بنانے سے پہلے اس جگہ کو ہر طرف سے معائنہ کرتے ہیں پھر اس کی ضروری صفائی کرتے

ہیں پھر اس میں نیا گھونسلا بناتے ہیں۔ چونکہ شیطان نے ان کو ورغلانا شروع کیا ہے ان کو یقین ہو گیا ہے کہ یہ لوگ میری گرفت میں آجائیں گے۔ یا یہ کہ گھونسلا کامل اطمینان کی جگہ ہے جہاں پرندہ دن بھر کی تھکاوٹ کو دور کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے ذہن بھی شیطان کے گھونسلے میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ جہاں شیطان آرام اور اطمینان سے اپنی کاروائی کر سکتا ہے۔ (51)

راقم کے خیال میں آخر تو جیہہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں شیطان کی مکمل گرفت اور اطمینان کا اظہار ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ((لا تستصنوا بنا المشرکین)) یعنی مشرکین کی آگ سے روشنی طلب نہ کریں۔ یہاں (نار) آگ سے مراد مشورہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مشورے کو آگ سے تشبیہ دے کر یہ واضح کیا کہ جس طرح آگ خطرناک ہے اسی طرح کفار سے مشورہ لینا بھی خطرناک ہے۔ (52)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ حنین کے موقع پر یہ ارشاد: ((الآن حمى الوطيس)) یعنی اب تندور گرم ہوا ہے۔ یعنی جنگ تیز ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”وطيس“ استعمال کر کے یہ واضح کیا جس طرح تندور گرم ہوتا ہے اسی طرح جنگ بھی اپنی لپیٹ میں آنے والی اشیاء کا صفایا کرتی ہے۔ جنگ کی شدت کی وضاحت کے لئے اس سے بہتر الفاظ نہیں ہو سکتے۔ دوسرے الفاظ سے اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

مجاز میں سے ایک اہم نوع مجاز مرسل بھی ہے جس میں اصلی اور مجازی معنی کے درمیان مشابہت نہیں ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثال کے طور پر ((اليد العليا خير من اليد السفلى)) (53) ”کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے“۔ یہاں ید سے مراد ہاتھ نہیں بلکہ دینے والا شخص ہے۔ ہاتھ جز کا ذکر کر کے مراد (کل) لیا ہے۔

② تشبیہ

ادب میں اسلوب تشبیہ کا مقام بہت نمایاں ہے۔ کیونکہ یہ ابتداء آفرینش سے ادباء کے لیے اظہار و تصویر کشی کا بہترین ذریعہ رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسلوب کو استعمال کر کے عربی زبان و ادب میں کئی نئی اور نادر تشبیہات کا اضافہ کیا۔ ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((إياكم والحسد فإنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب)) (54)

”کہ اپنے آپ کو حسد سے بچاتے رہو کیونکہ یہ (حسد) نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتا ہے۔“

اس تشبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کی برائی کی توضیح انتہائی مؤثر انداز میں بیان کی ہے۔ فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کو یہ کہہ کر اظہار فرمایا کہ:

((مثل القائم على حدود الله والمدھن فيها كمثل قوم استھموا على سفينة البحر فأصاب بعضهم أعلاها وأصاب بعضهم أسفلها، فكان الذين في أسفلها يصعدون ويستقون الماء فيصبون على الذين في أعلاها، فقال الذين في أعلاها، لاندعكم تسعدون فتؤذوننا، فقال الذين في أسفلها، فإننا ننبھا من أسفلها فتسقى، فإن أخذوا على أيديهم فمنعهم نجوا جميعا، وإن تركوهم غرقوا جميعا)) (54)

اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود کی پاسداری کرتا ہے اور اس کی جو اس میں مددگت سے کام لیتا ہے اس قوم جیسی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے قرعہ اندازی کے ذریعے کچھ لوگ اوپر منزل میں جگہ پائے اور کچھ نیچے کی منزل میں رہے۔ نیچے والے پانی طلب کرنے کے لیے جب اوپر والوں کے پاس گئے تھے۔ تو اوپر والوں نے کہا کہ آپ اوپر چڑھ کر ہمیں تنگ کر رہے ہیں۔ لہذا ہم آپ کو اجازت نہیں دیتے ہیں۔ تو نیچے والوں نے کہا کہ ہم نیچے سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ پانی پی سکیں۔ اب اس صورت میں اگر اوپر والے ان کو روکیں گے تو دونوں منزل والے نجات پائیں ورنہ دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔“

خاتون کی نفسیاتی خصوصیات کے بارے میں آنحضرت کا یہ ارشاد کہ ((المرأة كالضلع إن أقمتها

كسرتها وإن استمتعت بها استمتعت بها وفيها عوج)) (55)

”خاتون پسلی کی مانند ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اس سے ٹیڑھے پن کے باوجود فائدہ اٹھاتے رہو گے تو فائدے میں رہو گے“

اس طرح کی تشبیہات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بہت زیادہ ہیں۔

ان تمام تشبیہات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کلی امور اور عقلی حقائق کو تشبیہ کی وساطت سے واضح فرمایا۔

③ الکنایۃ

تصویر کشی کی انتہائی مؤثر طریقہ کنایہ کہلاتا ہے۔ کنایہ عربی زبان کا ایک اہم باب ہے اور قرآن کریم نے اس اسلوب کو استعمال کیا ہے۔ کنایہ ایک ایسا اسلوب ہے جس میں لفظ کے معنی کی بجائے اس کے معنی کی لازم کو مراد لیا جاتا ہے (56)۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت اور مؤثر انداز کلام ہے کیونکہ اس میں تصویر کشی اور مخاطب کو متاثر کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس میں ایجاز و اختصار کے ساتھ ملزوم سے لازم کی طرف انتقال بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں انتہائی خوبصورت اور مہذب کنایے موجود ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد کہ:

((من كشف قناع امرأة وحب لها المهر)) (57)

”جب نکاح ہو جائے تو اس پر مہر لازم ہے“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

((من بضمن لي ما بين لحييه وبين رجله أضمن له الجنة)) (58)

”جس نے دو جڑوں کے درمیانی حصہ (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی

حفاظت کی تو میں اس کے لیے جنت دینے کا ضامن ہوں“۔

یہاں (ما بین لحييه) کنایہ زبان سے اور (ما بین رجله) کنایہ شرمگاہ سے ہے۔ اس کنایہ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و پاکدامنی کا اظہار ہوتا ہے۔

⑦ لغوی توازن اور موسیقی

خوبصورتی کی طرف میلان فطرت کا تقاضا ہے۔ خواہ خوبصورتی صورت میں ہو یا آواز میں، یا اسلوب

میں۔ چونکہ زبان ایک صوتی مظہر ہے۔ اس میں انسان کے احساسات، جذبات اور افکار کی عکاسی ہوتی ہے۔

جب انسان فکری اور شعوری طور پر مکمل ہوتا تو اس کی زبان سے نکلنے والے جملے اور کلام بھی خوبصورت ہوتا ہے۔

عبارت کا جمال اور اسلوب کا جلال لوگوں کے درمیان وجود میں مشترک ہیں، لیکن مرتبے میں مختلف ہیں۔ الفاظ کا

جمال اور تعبیر کی تازگی، جذبات کی قوت اور موضوع کے جلال کا تابع ہے۔ کلام جب متوازن صوتی انداز میں

بہترین صورت میں پیش کیا جائے تو وہ بہت مؤثر ہوتا ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان پر مکمل گرفت حاصل تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب قرآن

مجید کے اسلوب سے متاثر تھا۔ اس وجہ سے آپ کے کلام میں توازن اور موسیقیت کا ایک عجیب انداز پایا جاتا

ہے۔ اس کو ہم دو اجزاء میں تقسیم کر سکتے ہیں:

ایک الفاظ کا توازن و موسیقیت اور دوسرا جملے اور تراکیب میں موسیقیت۔ دوسرے جز میں سجع، ازدواج، توازن، النجیس، الطباق کلام میں نفسیاتی ترتیب وغیرہ

① الفاظ کا توازن اور موسیقیت / ترنم

جہاں تک الفاظ کی موسیقیت کا تعلق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے الفاظ معانی کے مطابق آتے تھے۔ معنی اور الفاظ کے درمیان ایک قسم کا صوتی تلازم پایا جاتا ہے مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ:

((الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن ويتتبع فيه وهو عليه شاق له اجران)) (59)

”قرآن مجید کا ماہر معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا، جب کہ وہ شخص جو قرآن مجید پڑھتے ہوئے انک جاتا ہے اس کو پڑھنے کے دوران تکلیف ہوتی ہے تو اس کے لیے دواجر ہیں“

یہاں لفظ ”یتتبع“ کے اندر وہ مشقت اور تکلیف کا عنصر لفظ میں واضح ہے۔ اور اس معنی کے لیے اس سے بہتر کوئی اور لفظ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ((إن اللہ عز وجل يقبل توبة العبد مالم يعرغ.....)) (60) ”اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو ”عرغہ“ تک قبول کرتے ہیں“۔ اور ”عرغہ“ عربی زبان میں اس وقت کو کہتے ہیں کہ جب کوئی انسان موت کے بالکل قریب ہو اور اس کی روح بدن سے نکلنے کے لیے گلے تک پہنچ جائے۔ عرغہ کے لفظ میں اس آواز اور سختی کی طرف اشارہ ہے جو قریب الموت شخص سے ظاہر ہوتی ہے۔

② جملوں اور تراکیب کے درمیان توازن و ہم آہنگی

اگر جملوں کے درمیان آپس میں ربط و تعلق ہو، اور ان کے درمیان لفظی و صوتی ہم آہنگی ہو تو اس سے کلام کے اندر ظاہری حسن و جمال کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور سننے والے پر اچھا اثر چھوڑ دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں عجیب قسم کا توازن اور صوتی ترنم پایا جاتا تھا۔ جسے مندرجہ ذیل صورتوں میں ہم دیکھ سکتے ہیں:

③ سجع اور فواصل کے درمیان مطابقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سجع بکثرت پایا جاتا ہے، لیکن یہ سجع ہر قسم کی بناوٹ و تصنع سے پاک بالکل فطری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکر کی خوبصورتی اور الفاظ کی خوبصورتی کو آپس میں ملا کر ایسا کلام ترتیب دیتے تھے جو نہ صرف سحر انگیز ہوتا تھا بلکہ سننے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (61)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سجع معنی کے موافق، انتہائی واضح، آسان، دلچسپ اور سننے والے پر

اثر انگیز ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((اللهم آت نفسي تقواها وزكها وأنت خير من زكأها، أنت وليها

ومولاها)) (62)

”اے اللہ میرے نفس کو پرہیزگاری عطا کر اور اس کو پاک کر، آپ بہترین پاک کرنے والے ہیں۔ آپ ہی میرے نفس کے حامی و ناصر ہیں۔“

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((تعوذوا بالله من جهد البلاء، ودرک الشقاء وسوء القضاء، وشماتة

الأعداء)) (63)

”اے لوگو اللہ سے آفتوں، بدبختی کے گھبراؤ، بد نصیبی اور دشمنوں کی خوشی سے پناہ مانگو۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

((افشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا الناس نیام،

تدخلوا الجنة بسلام)) (64)

”آپس میں سلام کو پھیلاد، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رہی کیا کرو، اور ایسے وقت میں نماز پڑھو

جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تاکہ تم لوگ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو۔“

ان مذکورہ بالا ارشادات میں جملوں اور کلمات کے آخری حروف کے درمیان عجیب قسم کا توازن، ہم آہنگی

اور صوتی ترنم پایا جاتا ہے۔ پہلی دعا میں (تقواها، زکأها، مولاها) دوسری میں (البلاء، الشقاء، القضاء،

الأعداء) اور تیسری (السلام، الطعام، الأرحام، نیام، بسلام) کے آخری حروف میں توازن و یکسانیت پائی

جاتی ہے۔ اور اس توافق میں کسی قسم کی بناوٹ تصنع و تکلف کا شائبہ تک نظر نہیں آتا بلکہ انتہائی فطری انداز اختیار کیا

گیا ہے۔

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس طرح کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں علم البدیع کے تمام محاسن پائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ محاسن لفظی ہوں یا

معنوی۔ ان تمام اسالیب کلام میں ایک چیز قدر مشترک ہے کہ وہ ہر قسم کے تکلف و بناوٹ و تصنع سے پاک ہیں۔ اور

ان میں کمال درجے کا توازن، ہم آہنگی اور صوتی طور پر انتہائی ترنم ہے۔

ایک اہم خصوصیت جو آنحضرت کے اسلوب کلام کا طرہ امتیاز رہا ہے وہ مندرجہ بالا کلام کے درمیان

انتہائی مضبوط اور نفسیاتی ترتیب ہے جس میں سننے والا شخص ہر جملے کے بعد دوسرے جملے کا منتظر رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

- درحقیقت یہ موضوع زیادہ تفصیل طلب ہے۔ اس کا کماحقہ احاطہ کسی ایک شخص کے لیے ممکن نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مالا یدرک کلمہ لا ینترک جملہ کے اصول کے تحت مقالہ کالب لباب پیش ہے:
- ① اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص قسم کے ماحول میں پیدا کر کے لسانی طلاق و فصاحت و بلاغت کے تمام اسباب مہیا کیے۔ خواہ وہ کبھی ہوں یا وہی ہوں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو بطریق احسن لوگوں تک پہنچا سکیں۔
 - ② بلاغت نبوی درحقیقت قدرت الہی کا کرشمہ ہے۔ اور قدرت کے کرشمے مخلوق کے ترازو میں نہیں تولے جاسکتے مخلوق صرف احساس کر سکتے ہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔
 - ③ بلاغت نبوی کا مکمل احاطہ ناممکن ہے کیونکہ یہ موضوع انتہائی ضخیم و وسیع ہے۔
 - ④ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت وضاحت ہے۔ اس لیے وہ ہر قسم کے ابہام و غموض سے اپنے کلام کو پاک کرتے تھے اور مخاطب اور مقتضی الحال کا خیال رکھتے ہوئے کلام کو پیش کرتے تھے۔
 - ⑤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی زبان پر ایک عجیب قسم کی دسترس حاصل تھی اسی اساس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نت نئے الفاظ و اسالیب تخلیق کرتے تھے جو بعد میں زبان ادب کے انتہائی خوبصورت حصے کے طور پر محفوظ ہوئے۔
 - ⑥ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تسلسل و منطقی انداز پایا جاتا تھا۔ آپ ہر لحاظ سے مناسب الفاظ و تراکیب کو استعمال کر کے کلام پیش کرتے تھے۔
 - ⑦ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاز کے مختلف اقسام کو اپنے کلام میں استعمال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر استعمال انتہائی جاذب اور خوبصورت ہوا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے اسالیب استعمال کیے جن کی نظیر نہیں ملتی۔
 - ⑧ احادیث نبوی کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد سب سے اونچا ہے۔ لہذا علماء اور محققین کو اس میدان میں مزید کام کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر جدید دور کے نئے اسلوبی اصولوں کو سامنے رکھ کر اسلوب نبوی کے فنی محاسن کو اجاگر کیا جائے اور ہر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے مؤثر کلام کے ذریعے اسلام کے درخشندہ اصولوں کو دنیا کے سامنے رکھ سکے۔

حواشی و حوالہ جات

- (1) سورة النور: 54 مزید آیتیں ملاحظہ کیجئے آل عمران: 2، المائدة: 92، التباين: 12۔
- (2) سورة المائدة: 67
- (3) سورة النساء: 63
- (4) سورة الانعام: 24
- (5) دیکھئے سیوطی، جلال الدین (ت: 911ھ)، المزهري في علوم اللغة وأنواعها (مصر، مكتبة الأزهرية 1325ھ)، ص: 128/1 اور دیکھئے جاحظ، عمرو بن بحر، البيان والتبيين، تحقيق: محمد عبد السلام هارون (مصر، مكتبة الخانجي، 1975م)، ص: 9/1
- (6) المزهري، ص: 127/1
- (7) ابن الأثير، المبارك بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر، تحقيق: طاهر أحمد الزاوي، ومحمود محمد الطناجي، (مطبعة الخيرية، مصر) 4/1، وأبو عبد الله بن عبد الباقي بن يوسف مالك (ت: 1142ھ) شرح المواهب اللدنية (المطبعة الأزهرية المصرية 1327ھ) 101/4، وابن الجوزي أبو الفرج عبد الرحمن (ت: 597ھ) الوفاء بأحوال المصطفى (مصر، دار الكتب الحديثة، 1386ھ) 456/2
- (8) عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے بدوی قبائل اور دیہات بھیجا کرتے تھے تاکہ صاف اور کھلی فضا میں ان کی تربیت ہو سکے اور ان کی زبان و بیان ہر قسم کے شہری ملاوٹ و آلودگی سے پاک رہے۔ اور بنی سعد جو فصاحت و بلاغت میں مشہور و معروف قبیلہ تھا اعلیٰ مقام کا حامل تھا۔ اعجاز القرآن والبلاغة النبوية (دار الكتاب العربي، ط م/4999/ بیروت) ص: 285
- (9) الجاحظ، عمرو بن بحر البيان والتبيين، ج: 2، ص: 18/2
- (10) النهاية في غريب الحديث والأثر 4/1 اور دیکھئے محمد بن يوسف الصالحی الشامي (ت: 942ھ) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (مصر، المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية 1394ھ) 130/2، الزمخشري، الفائق في غريب الحديث، تحقيق: علی محمد البجاوي ومحمد أبو الفضل إبراهيم (مطبعة عيسى الحلبي وشركاه، ط: 2) 11/1
- (11) أحمد حسن الزيات، وحي الرسالة (بيروت، دار الثقافة، ط: 6، 1973م) 105/3
- (12) حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کی طرح جلدی جلدی نہیں بولتے تھے، بلکہ کلام کو آرام سے اور جدا کر کے پیش

- فرماتے تھے۔ دیکھئے الترمذی، امام عیسیٰ بن محمد بن سوری (ت: 679ھ) جامع ترمذی (الہند، المطبعة
المجتبائیة) 305/2۔ اسی طرح سنن ابی داؤد میں منقول ہے۔
- (13) دیکھئے ابو داؤد، امام سلیمان بن الأشعث بن اسحاق الأزدیہ (ت: 275ھ) سنن أبی داؤد (الہند،
المطبعة النامیة) 566/2 اور دیکھئے ابن الجوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ 454/2
- (14) ابن الجوزی، الوفاء بأحوال المصطفیٰ 454/2
- (15) دیکھئے جامع ترمذی 705/2 وشمائل ترمذی (الہند، المطبعة المجتبائیة) ص: 15
- (16) الوفاء بأحوال المصطفیٰ 406/2
- (17) دیکھئے صحیح مسلم، ج: 8، ص: 11
- (18) رواہ البخاری دیکھئے ریاض الصالحین باب ملاطفة الیتیم، ص: 137
- (19) المنطیة: (ن ط و) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی دینے والا اور المنطاة اسم مفعول ہے یعنی لینے والا۔ دیکھئے۔
المنجد فی اللغة والأعلام تحت مادة (نط و)
- (20) الإمام محمد یوسف الشامی (ت: 942ھ) سبیل الہدی والرشاد فی سیرة خیر العباد 130/2
- (21) دیکھئے حافظ أبو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (ت: 360ھ)، المعجم الکبیر، تحقیق،
حمد عبد اللہ السلفی (دار احیاء التراث، القاہرہ)، ص: 11/172، وسبیل الہدی والرشاد،
ص: 140/2
- (22) النیعة۔ بھیڑ بکریوں کی عدد جب چالیس ہو جائے، یا مال و مویشی نصاب زکوٰۃ کا ادنیٰ حصہ، دیکھئے ابن الاثیر، مجد
الدین (ت: 606ھ) مثال الطالب فی شرح طوال الغرائب، تحقیق: د. محمود محمد الطناجی
(مصر مطبعة المدنی) ص: 718۔
- (23) خلاط سے مراد اپنی مویشیوں کو دوسروں کے مویشیوں کے ساتھ اس لیے کس کرنا تاکہ ان کی زکوٰۃ نہ دینا پڑے۔
اور وراط مال مویشی میں دھوکہ کرنا۔ لسان (تبع) مادہ ج: 14، ص: 176، مادہ و (رط) ج: 15، ص: 272
- (24) تفصیل کے لیے دیکھئے ابن الاثیر مجدد الدین (ت: 606ھ) مثال الطالب فی شرح طوال الغرائب
(مصر، مطبعة المدنی) ص: 8۔ والعسکری، أبو ہلال العسکری، حسین بن عبد اللہ بن سهل
(ت: 395ھ) کتاب الصناعین (مصر، دار احیاء الکتب العربیة، عیسیٰ البابی الحلبی وشرکائوہ
ص: 156) وأحمد بن زینی دحلان (ت: 1304ھ) السیرة النبویة (دار احیاء التراث العربی،
بیروت، لبنان، ط: 1، 1416ھ-1995م)، ص: 213/2

- (25) ديكهنى ابن الأثير مجد الدين (ت: 606 هـ) منال الطالب في شرح طوال الغرائب، ص: 8
- (26) الزبيدى، ابن المربيع، تيسير الوصول (الحلبى، 1353م) ج: 1، ص: 25
- (27) ديكهنى الصباغ محمد، الحديث النبوي (مصطلحه. بلاغته. علومه) (بيروت منشورات المكتب الإسلامى 1392هـ/1972م) ص: 93 وعبدالحميد المسلوب الأدب العربى بين الجاهلية والاسلام (الجامعة الليبية، ط: 1، 1972م) ص: 387 والزيات احمد حسن دفاع عن البلاغة (القاهرة، عالم الكتب، ط: 2، 1967م) ص: 100-65
- (28) العسكري، ابو هلال، الصناعتين ص: 167
- (29) الرفاعى، تاريخ آداب العرب (دارالكتاب العربى، بيروت، ط: 9، 1393هـ/1973م) ص: 277-243
- مزید مثالوں کے لیے دیکھیے، الرضی، الشریف المجازات النبویة ، تحقیق وشرح د/ حه محمد الزینى (القاهرة، مؤسسة الحلبي وشركاء ه، 1387هـ/1967م) ومن وحى الرسالة، للزيات، ص: 3/ 107، وعز الدين على السيد، الدكتور، الحديث النبوى من الوجهة البلاغية ، ص: 186-185 وكبرى شيخ امين أدب الحديث النبوى (دارالشروق بيروت، ط: 2، 1890هـ/ 1975م) ص: 106-104
- (31) الخطابى، الإمام أبو سليمان أحمد بن بن محمد بن إبراهيم (ت: 388هـ)، غريب الحديث، ج: ب1، ص: 66
- (32) دیکھئے البیان والتبيين، ص: 2/ 21
- (33) ابو عيسى ابن عيسى بن سوره، شمائل الترمذى (المطبعة المجتباية، الهند) ص: 16
- (34) القيروانى، ابن رشيق، العمدة في صناعة الشعر ونقده (القاهرة 1344هـ/1925م)، ص: 1/ 161
- (35) دیکھئے المبرد، محمد بن جرير، الكامل، تحقيق: محمد احمد الوالى ، ص: 1/ 10
- (36) سرالفصاحة ص: 203
- (37) دیکھئے ابو هلال العسكري، الصناعتين، ص: 187
- (38) ابن رشيق القيروانى، العمدة ، ص: 1/ 24
- (39) ابن الأثير، المثل السائر، ص: 1/ 119
- (40) العز بن عبدالسلام، الإشارة إلى الإعجاز (الأهرام التجارة، 197م) ص: 2

- (41) ابن حجر العسقلانی، فتح الباری (المطبعة السلفية، القاهرة، 138ھ) القاهرة، ص: 52/1
- (42) دیکھئے رواہ البخاری ج: 11، ص: 302 وأبو داؤد ج: 12، ص: 418
- (43) من وحی الرسالته، ص: 107/3
- (44) دیکھئے، البیہقی، علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد (دار الکتب العربیہ، بیروت، 1402ھ/1982م) ص: 129
- (45) متفق علیہ. والنووی، یحییٰ بن شرف، ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین (بیروت، دار الکتب العربیہ 1393ھ/1973م) ص: 28-29
- (46) تیسیر الوصول، ص: 24/2
- (47) مجاز سے مراد الفاظ کا ظاہری معنی نہ ہو بلکہ دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہو بشرطیکہ معنی اصلی اور مجازی کے درمیان تعلق موجود ہو۔ اگر یہ تعلق مشابہت کا ہو تو اس استعارہ کو کہا جاتا ہے اور مشابہت نہ ہو تو اس کو علمائے بلاغت کے ہاں مجاز مرسل کہا جاتا ہے۔
- (48) دیکھئے المجاز النبویہ، تحقیق: محمد العزینی ص: 9-10
- (49) دیکھئے الصعیدی، عبد المتعال، بغیة الايضاح لتلخیص المفتاح، (مکتبۃ المعارف، الرياض، 1417ھ/1997م) استعارہ کی تعریف یہ ہے ”استعمال اللفظ فی غیر ما وضع له لعلاقة المشابهة مع وجود قرينة مانعة من إرادة المعنى الوضعي“
- (50) تیسیر الوصول ج: 3، ص: 280
- (51) المجازات النبویہ، ص: 55
- (52) دیکھئے المجازات النبویہ، ص: 166
- (53) دیکھئے المجازات النبویہ: ص: 35
- (54) المثل السائر لابن الأثیر، ص: 103/3
- (55) دیکھئے امام
- (56) الدارمی، سنن الدارمی (شركة الطباعة الفنية المتحدة بالدراسة) ص: 31-32
- (57) سنن الترمذی، ص: 470/3
- (58) دیکھئے تفصیل صحیح البخاری، ص: 183/3، ص: 126/8، ص: 143/1، سنن الترمذی، ص: 576/5

- (59) دیکھئے متن التلخیص بشرح مقدمة البرقوقي، ص: 333
- (60) دیکھئے الکناہیہ للجرجانی، ص: 6 یہاں لفظ قناع اصل میں اس چادر کو کہتے ہیں جو خاتون اپنے سر کے اوپر ڈالتی ہے۔ یعنی جس نے کسی خاتون کے سر کے رومال اور چادر کو ہٹایا یعنی نکاح کیا۔ یہاں رومال ہٹانے کو کناہیہ ہے نکاح سے۔
- (61) فتح الباری، ص: 308/11
- (62) البيومي، محمد رجب، البيان النبوي (المكتبة، دار الوفاء، 1407ھ/ 1987م) ص: 245
- (63) تيسير الوصول، ص: 76/1
- (64) دیکھئے احمد حسن زیادت، دفاع عن البلاغة ص: 122 و محمد رجب البيومي، البيان النبوي ص: 254، العقاد، عبقرية محمد ص: 76
- (65) صحيح مسلم، ص: 2088/4
- (66) فتح الباری، ص: 513/11
- (67) سنن الترمذی، ص: 252/4

وَمَا أَلَّا لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
بِنُطْقِ الْوَالِدِ الْكَوْبَرِ
إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّبِّ غِيَاظَ الشَّجَرِ وَهُدًى
وَبُرْءَانًا كَبِيرًا

وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) من بانی نبی نہیں کرتے، ان کا کلام تو تمام رومی ہوتا ہے